Date of Publication : 09-09-2014

PRICE Rs. 2/-

POSTED ON 10-11 Sep. 2014
R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) -01/1195/2012-14
Licensed to Post Without Prepayment U (C)160/2012-14

HAMARI ZABAN (WEEKLY)

ہفت روزہ

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی

15-21 September2014
Issue: 35, Vol.:73

۱۵تا۲۱ر ستمبر ۲۰۱۴ء
شمارہ نمبر: ۳۵، جلد نمبر: ۷۳

غالب کی شاعری میں محبوب کا تصور

رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری

اتر پردیش میں اردو کا دوسری سرکاری زبان کا درجہ برقرار

سپریم کورٹ نے یوپی ہندی ساہتیہ سمیلن کی رٹ خارج کردی

نئی دہلی (۴ر ستمبر)۔ سپریم کورٹ نے اتر پردیش میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دینے کے فیصلے پر آج اپنی مہر ثبت کردی۔ فاضل عدالت نے اپنے ایک تاریخ ساز فیصلے میں کہا کہ ملک کے لسانی قانون سخت نہیں بلکہ لسانی مساوات کا نشانہ حاصل کرنے کے لیے نرم ہیں۔ چیف جسٹس آر ایم لوڑھا کی صدارت والی پانچ رکنی آئینی بنچ نے اتر پردیش ہندی ساہتیہ سمیلن کی رٹ کو آج خارج کردیا۔ رٹ میں اتر پردیش حکومت کے 1989 کے اس فیصلے کو چیلنج کیا گیا تھا جس کے ذریعے اردو کو ریاست کی دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیا گیا تھا۔ فاضل عدالت نے اپنی رولنگ میں کہا کہ آئین میں ایسا کچھ نہیں ہے جو کہ ریاست میں ہندی کے علاوہ ایک یا اس سے زائد زبانوں کے استعمال کے اعلان سے ریاستی حکومت کو روکتا ہو۔ آئینی بنچ نے اردو کو اتر پردیش میں دوسری سرکاری زبان کا درجہ دینے والے اتر پردیش سرکاری زبان ترمیمی ایکٹ 1989 کو جائز قرار دیا۔

آئینی بنچ نے کہا کہ کسی ریاست کی سرکاری زبان یا زبانوں سے متعلق آرٹیکل 345 میں ایسا کچھ نہیں ہے جو ہندی کے علاوہ ریاست میں ایک یا زائد زبانوں کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دینے سے روکتا ہے۔ آئینی بنچ میں چیف جسٹس کے علاوہ جسٹس دیپک مشرا، جسٹس مدن بی لوکور، جسٹس کورین جوزف اور جسٹس ایس اے بوبڑے شامل تھے۔

عدالت عظمیٰ نے کہا کہ بہار، ہریانہ، جھارکھنڈ، مدھیہ پردیش، اتراکھنڈ اور دہلی جیسی کئی ریاستی لیجسلیچر نے ہندی کے علاوہ دوسری زبانوں کو بھی سرکاری کام کاج کے بطور تسلیم کیا ہے۔ عدالت نے کہا کہ اگر آئین اس کی اجازت نہ دیتا تو ایسا ممکن نہیں ہو پاتا۔ دہلی میں ہندی کے ساتھ پنجابی اور اردو کو کام کاج کی دوسری سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہے۔ آئینی بنچ نے کہا کہ ہندی کو واضح طور سے یا علاحدہ ریاست میں سرکاری زبان کے بطور اختیار کیے جانے کا ذکر ہونے کی وجہ سے انھیں نہیں لگتا کہ آئین کسی دیگر زبان کو سرکاری زبان کے بطور اختیار کرنے کے لیجسلیچر کے متبادل کو بند کرتا ہے۔ واضح رہے کہ یوپی ہندی ساہتیہ سمیلن نے اتر پردیش میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیے جانے کی مخالفت میں 1989 سے ہی تحریک چلا رکھی ہے اور اردو کو اتر پردیش میں دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیے جانے کے خلاف گزشتہ 25 برسوں سے قانونی طور پر لڑائی لڑ رہی ہے اور اس نے اردو کے نام پر اکثر ماحول بھی خراب کرنے کی کوشش کی تھی۔ سپریم کورٹ نے گزشتہ ماہ اتر پردیش میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دینے سے متعلق قانون کو چیلنج کرنے والی رٹوں پر سماعت شروع کی تھی اور گزشتہ ۶ر اگست کو سپریم کورٹ نے اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیے جانے کے خلاف دائر رٹ پر اپنا فیصلہ محفوظ کرلیا تھا اور آج ۴ر ستمبر ۲۰۱۴ء کو اردو کے خلاف داخل رٹ کو خارج کردیا جس سے ایک مرتبہ پھر اردو کو اس کا جائز حق ملنے کی راہ ہموار ہوگئی ہے۔

اردو کے ممتاز شاعر اور ادیب رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری کی اہم تحریر جو 'زمانہ' کانپور کے اپریل 1945 کے شمارے میں 'غالب کی شاعری میں محبوب کا تصور' کے عنوان سے شائع ہوئی ہے، اسے ہم 'ہماری زبان' کا بے گا بے 'بازخواں' کے طور پر نقل کررہے ہیں۔ (ادارہ)

کہتے ہیں کہ پاربتی جی نے ایک بار شیو جی سے پوچھا کہ میں تمھیں کیسی لگتی ہوں۔ شیو جی نے جواب دیا کہ "تم ایسی لگتی ہو جیسے آدھا سنا گانا یا وہ راگ جو کچھ سنائی پڑے اور کچھ نہ سنائی پڑے۔" انگریزی شاعر کیٹس (Keats) نے اپنی محبوبہ کو ایک خط میں لکھا کہ میں تمھیں ہمیشہ اپنی آنکھوں کے سامنے آنکھ اوجھل پاتا ہوں۔ کتنے حسین، لطیف اور نازک تصور ان روایتوں میں پیش کیے گئے ہیں۔ مخصوص انفرادی لذات یا احساسات کی مصوری الفاظ میں ناممکن ہے۔ ہر تجربے میں ایک نرالا پن ہوتا ہے، ہر احساس میں ایک اچھوتا پن ہوتا ہے، ہر تصور کی ایک انفرادیت ہوتی ہے۔ الفاظ کے ذریعے شاعر یا ادیب ہمیں اس نرالے پن، اچھوتے پن اور انفرادیت کے قریب کردیتا ہے لیکن بات جہاں کی تہاں رہ جاتی ہے۔ اگر دو شخص ایک ہی معشوق کے عاشق ہوں تو بھی اس کے حسن و جمال کا جو عکس دونوں کے دلوں میں پڑے گا وہ یکساں نہیں ہوگا۔ انفرادیت دنیا کے اہم ترین رازوں میں سے ایک راز ہے لیکن انفرادیت میں ایک آفاقی اور عالمگیر صفت بھی ہوتی ہے، جب ہی تو ہم شاعروں کے مخصوص اور اچھوتے تصورات سے مانوس اور ہم آہنگ ہوسکتے ہیں۔

غالب کی عشقیہ شاعری میں محبوب کے تصور کا اندازہ لگاتے وقت ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیے کہ غالب کا یہ تصور مسلسل نظموں میں نہیں پیش کیا گیا ہے بلکہ غزلوں میں پیش کیا گیا ہے اور غالب کی غزلوں میں، حسن سے کہیں زیادہ عشق اور زندگی اور کائنات کی مصوری کی گئی ہے۔ بجائے اس کے کہ حسن کیا ہے اور کیسا ہے ہمیں زیادہ تر یہ بتایا گیا ہے کہ حسن نے عشق کے ساتھ کیا کیا اور حسن کے ہاتھوں عشق پر کیا گزری، بقول اصغر گونڈوی:

کچھ اٹھے حسن سے کچھ حسن نظر سے

لیکن پھر بھی جب ہم دیوان غالب کی سیر کرتے ہیں تو حسن کی متعدد جھلکیاں اور معشوق کے مزاج اور کردار کی کئی تصویریں ہمارے سامنے سے گزرتی ہیں۔ ان اشعار سے ہم کافی حد تک اس کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ غالب کی شاعری میں حسن کا تصور کیا ہے اور کیسا ہے۔ پہلے معشوق کے قد کو لیجیے۔ لمبے قد کا آدمی کس قد و قامت پر عاشق ہوگا؟ اس کے معشوق کا قد بونا سا ہوگا یا لمبا اور چھریرا، تو اسے ماہر نفسیات ہی بتائیں۔ لیکن ہم یہ جانتے ہیں کہ اردو شاعروں میں غالب خود بہت لمبے قد کے آدمی تھے۔ ایک شعر میں غالب نے معشوق کے درازی قد کا ذکر کیا ہے، کہتے ہیں:

بھرم کھل جائے ظالم تیرے قامت کی درازی کا
اگر اس طرۂ پر پیچ و خم کا پیچ و خم نکلے

غالب کا معشوق یا غالب کے معشوق میانہ قد، بونا سا قد یا لمبے قد کے تھے

ہمیں اس کا کوئی جواز بھی نظر نہیں لیکن جو شعر ابھی آپ نے سنا ہے اس سے یہ ضرور پتا چلتا ہے کہ بروقت معشوق کے حسن کا احساس بہت شدید احساس غالب کو تھا۔

غالب کا معشوق نرم گام یا آہستہ خرام نہیں ہے۔ معشوق کی چال کی تصویر غالب نے یوں کھینچی ہے:

چال جیسے کڑی کمان کا تیر
دل میں ایسے کے جا کرے کوئی

بجلی کی تیزی اور تیر کی جست محبوب غالب کی چال میں ہے۔ ایک جگہ اور کہتے ہیں:

ثبت ہوا ہے گردنِ مینا پہ خونِ خلق
لرزے ہے موجِ مے تری رفتار دیکھ کر

یہاں بھی چال کے جمالی پہلو کو جلالی شان و انداز سے پیش کیا گیا ہے۔ معشوق کی شوخ چال کی ایک اور تصویر دیکھیے:

دیکھو تو دل فریبیِ اندازِ نقشِ پا
موجِ خرامِ یار بھی کیا گل کتر گئی

اس شعر میں بجلی کی سی چال کا ذکر نہیں پھر بھی چال ہے نہایت شوخ۔

زلف سے متعلق بھی غالب نے دو تین شعر کہے ہیں لیکن کیا شعر ہیں:

نیند اس کی ہے دماغ اس کا ہے راتیں اس کی ہیں
تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں

زلف کی درازی کا کچھ اندازہ تو غالب کے اس شعر سے ہم کو ہو جاتا ہے جسے قامت کی درازی کے سلسلے میں پیش کر چکے ہیں:

اگر اس طرۂ پر پیچ و خم کا پیچ و خم نکلے

زلف کی رعایت پر ایک شعر کہہ کر غالب نے کیا کچھ نہیں کہہ دیا:

سکے تو شب کہیں کاٹے تو سانپ کہلاوے
کوئی بتاؤ کہ وہ زلفِ خم بہ خم کیا ہے

اور یہ شعر تو نہ جانے ہمیں کہاں لے جا رہا ہے:

تو اور آرائشِ خمِ کاکل
میں اور اندیشہ ہائے دور و دراز

گورا دمکتا ہوا چہرہ دیکھ کر بھی نگاہیں تڑپ جاتی ہیں اور بھی شاداب ہو جاتی ہیں۔ معشوق کے چہرے کا تصور غالب یوں کرتے ہیں اور اسے یوں دیکھنا چاہتے ہیں:

اک نوبہارِ ناز کو تاکے ہے پھر نگاہ
چہرہ فروغِ مے سے گلستاں کیے ہوئے

اس شعر میں بھی معشوق کے چہرے کی جگمگاہٹ دیکھیے:

کیا آئینہ خانے کا وہ نقشہ تیرے جلوے نے
کرے جو پرتوِ خورشید عالم شبنمستاں کا

معشوق کی نگاہ کا کتنا لطیف احساس د تصور غالب کو تھا:

بہت دنوں میں تغافل نے تیرے پیدا کی
وہ اک نگہ جو بظاہر نگاہ سے کم ہے

غالب کے ہاں محبوب کا جو تصور ہمیں ملتا ہے وہ نہایت طرحدار، نوک دار، چنچل اور شوخ ہے۔ اس تصور میں ایرانی کلچر کی رنگینیاں، لطافتیں اور نزاکتیں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہیں۔ غالب کے تصور کا کوئی خط دھندلا یا مبہم نہیں ہے۔ اس کے تصور کی ہر تصویری لکیر میں اپنی ہوئی تلوار کی دھار ہے۔ اس کے احساسِ حسن میں ایک ارتکاز و ہم آہنگی ہے۔ اس کا معشوق بہت شوخ اور طرار ہے۔ اس کی باتیں تک برق رفتاری کی مثالیں ہیں۔ ٹھہراؤ تو کہیں ہے ہی نہیں، معشوق کیسے باتیں کرتا ہے:

بجلی اک کوند گئی آنکھوں کے آگے تو کیا
بات کرتے کہ میں لب تشنۂ تقریر بھی تھا

معشوق کی بے پناہ شوخیاں ان اشعار میں دیکھیے:

نکتہ چیں ہے غمِ دل اس کو سنائے نہ بنے
کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

میں نے کہا کہ بزمِ ناز چاہیے غیر سے تہی
سن کر ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ یوں

معشوق کا نہ آنا ہی نہیں بلکہ اس کا آنا اور ملنا بھی فتنوں سے خالی نہیں:

وہ آئیں گے مرے گھر، وعدہ کیسا، دیکھنا غالب
نئے فتنوں میں اب چرخِ کہن کی آزمائش ہے

خوش ہوتے ہیں پر وصل میں یوں مر نہیں جاتے
آئی شبِ ہجراں کی تمنا مرے آگے

میں نے چاہا تھا کہ اندوہِ وفا سے چھوٹوں
وہ ستمگر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا

عموماً شوخ و شنگ معشوق عاشق کو ستاتا اور رقیب کو نوازتا رہتا ہے، لیکن غالب کے معشوق میں نہ عاشق کے لیے بے دردی و ہمدردی ہے نہ رقیب کے لیے۔ بہت نازک اور حساس لہجے میں غالب نے اس تکلیف دہ حقیقت کا اظہار کیا ہے:

تو دوست کسی کا بھی ستمگر نہ ہوا تھا
اوروں پہ ہے وہ ظلم کہ مجھ پر نہ ہوا تھا

معشوق کی جفاکاری اور ستم گاری، اس کی شرارتیں اور چھیڑیں، اس کی حیا میں بھی جھلک رہی ہیں:

کبھی نیکی بھی اس کے جی میں گر آ جائے ہے مجھ سے
جفائیں کر کے اپنی یاد شرما جائے ہے مجھ سے

جور سے باز آئے پر باز آئیں کیا
کہتے ہیں "ہم تجھ کو منہ دکھلائیں کیا"

معشوق ظلم و ستم سے توبہ بھی کرتا ہے تو کب کرتا ہے:

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

کبھی کبھی معشوق کی ستمگاری سے غالب کو فائدہ بھی پہنچ جاتا ہے:

ذکر میرا بہ بدی بھی اسے منظور نہیں
غیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ دور نہیں

گرچہ ہے کس کس برائی سے ولے با ایں ہمہ
ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

غالب اپنے معشوق میں پاتے تو ہیں انتہائی شوخی لیکن چاہتے ہیں اس میں سادگی:

سادگی پر اس کی مر جانے کی حسرت دل میں ہے
بس نہیں چلتا کہ پھر خنجر کفِ قاتل میں ہے

لیکن معشوق کی سادگی بھی قیامت ڈھاتی ہے:

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

اور جب معشوق ایک ہی ساتھ سادگی و شوخی کا ملاحظہ ہے تو اور بھی جان پر بن جاتی ہے:

سادگی و پرکاری، بے خودی و ہشیاری
حسن کو تغافل میں جرأت آزما پایا

معشوق کی شوخی کا شکایت آمیز بیان جیسا غالب کے ہاں ملتا ہے اس کی مثالیں کسی اور شاعر کے ہاں نظر نہیں آتیں۔ اس بیان اور اس شکایت میں نہ تو میر کی دل گرفتگی و خستگی ہے نہ بہت سے اور شاعروں کی طرح سطحیت و چھچھوراپن۔ غالب معشوق کی شوخیوں سے تنگ آکر بھی بالکل پست نہیں ہو جاتا، اپنی آن بان قائم رکھتا ہے اور اسی خودداری کے سبب سے وہ معشوق کی شوخی اور جفاکاری کو بہت سجا کے اور سنوار کے پیش کرتا ہے۔ مثلاً معشوق عاشق کے خطوں کا جواب نہیں دیتا یا نہایت بے حسی اور بے دردی سے جواب لکھتا ہے، غالب نے کس طنزیہ لہجے میں اس کا ذکر کیا ہے:

قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں
میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں

یہ جانتا ہوں کہ تو، اور پاسخِ مکتوب
مگر ستم زدہ ہوں ذوقِ خامہ فرسا کا

لیکن ان تمام اشعار سے غالب کے تصور محبوب کی جو تصویر سامنے آتی ہے وہ نامکمل ہوگی، اگر ہم غالب کے کچھ اور اشعار پر بھی نظر نہ ڈالیں جن میں معشوق کی فطرت کی نرمی یا اس کی عاشق نوازی دکھائی گئی ہے۔ معشوق خطوں میں ہمیشہ جلی کٹی نہیں لکھتا، پیار بھرے خط بھی لکھتا ہے:

پھر چاہتا ہوں نامۂ دلدار کھولنا
جاں نذرِ دلفریبیِ عنواں کیے ہوئے

معشوق محض رلاتا ہی نہیں، کبھی کبھی اس کی آنکھیں بھی ڈبڈبا آتی ہیں، کیا شعر کہا ہے:

نہیں معلوم کس کس کا لہو پانی ہوا ہوگا
قیامت ہے سرشک آلودہ ہونا تیری مژگاں کا

غالب کے ہاں محبوب کے تصور میں بلکہ حسن و عشق اور زندگی ہی کے تصور میں رشک کا عنصر بہت تیز ہے۔ غالب کے مزاج میں خود غرضی تھی کس کے مزاج میں نہیں ہوتی اور یہ خود غرضی بہت تیز تھی، لیکن ان کی فطری مصلحت شناسی، رشک کے جذبے کو بھی بہت حسین بنا دیتی ہے:

رات کے وقت مے پیے، ساتھ رقیب کو لیے
آئے وہ یاں خدا کرے، پر نہ خدا کرے کہ یوں

رقیب تو دور کنار غالب کو خود اپنے آپ پر رشک آ جاتا ہے:

کیوں جل گیا نہ تابِ رخِ یار دیکھ کر
جلتا ہوں اپنی طاقتِ دیدار دیکھ کر

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آ جائے ہے
میں اسے دیکھوں، بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

لیکن مجبوری سب کچھ کراتی ہے باوجود رشک کے غالب یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں:

تم جانو تم کو غیر سے جو رسم و راہ ہو
مجھ کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو

لیکن اگر کسی ایک غزل میں غالب نے محبوب کا معیاری (Ideal) تصور پیش کیا ہے تو اس غزل میں جو یوں شروع ہوتی ہے:

درد سے میرے ہے تجھ کو بے قراری ہائے ہائے
کیا ہوئی ظالم تری غفلت شعاری ہائے ہائے

یہ پوری غزل معشوق کا مرثیہ ہے اور غالب کے مفہوم تصور کا مرقع۔

❖❖

پیدائش کے 100ویں برس پر خصوصی پیش کش

خواجہ احمد عباس کی ڈراما نگاری

دوسری اور آخری قسط

ڈاکٹر محی الدین زور کشمیری (اسسٹنٹ پروفیسر اردو، گورنمنٹ ڈگری کالج، ماگام، کشمیر-193401)

''اناس اور ایٹم بم'' خواجہ احمد عباس کا ایک بابی ڈراما ہے جو 'شاہراہ' دہلی جون 1951 میں شائع ہوا۔ یہ بھی ایک نظریاتی ڈراما ہے جس میں مصنف کا نظریہ ہے کہ سرمایہ دار طبقے نے اپنے نفع کے لیے پورے کرۂ ارض کو موت اور تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے، لیکن اس کے بناتے ہوئے اس عفریت نے اس کا اپنا امن و سکون بھی چھین لیا ہے۔ سیٹھ لکشمی چند کے پاس کافی دھن، دولت ہونے کے باوجود بھی اس کے پاس سکھ چین اور شانتی نہیں ہوتی ہے، یہ اس لیے ہوا کیوں کہ اس نے یہ دولت غلط طریقے سے حاصل کرلی ہے، اس کے سر پر موت کا بھوت سوار ہوگیا ہے۔ دو دن بھر کے کام کاج کے بعد اونگھ جاتا ہے۔ اسی دوران نیم خوابیدہ حالت میں وہ یہ ایٹم بم کی تباہ کاریوں کا ذکر سن کر اس کے اندر خوف کا بھوت بیدار ہوکر اسے اس قدر دہشت زدہ کردیتا ہے کہ خواب سے بیدار ہوکر اسے راج کا لایا ہوا اناس بھی ایٹم بم دکھائی دینے لگتا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ وہ اپنی لڑکی رجنی کی شادی بھی راج جیسے قلاش نوجوان سے طے کردیتا ہے جسے وہ پہلے کئی بار نفی میں جواب دے چکا تھا۔

چند خامیوں کے باوجود یہ ڈراما بڑا دیرپا تاثر پیدا کرتا ہے۔ خواجہ احمد عباس نے 'دھرتی کے لال' اور 'دو بیگھہ زمین' کے علاوہ دو اور ڈرامے اپٹا کے لیے لکھے ہیں۔ 'دھرتی کے لال' میں بنگال کے قحط کی عکاسی کی گئی اور 'دو بیگھہ زمین' میں چھوٹے کسانوں کے کرب اور ان کی زمین پر سرمایہ دار کے قبضے کی داستان بیان کی گئی ہے۔ تقسیم اور فسادات پر ان کے ڈرامے 'میں کون ہوں' کا بھی پتا چلتا ہے۔ اپٹا نے ممبئی کی مزدور بستیوں میں یہ ڈراما کھیلا۔ گاندھی جی کے قتل پر خواجہ احمد عباس نے 'گاندھی جی اور غنڈہ' کے عنوان سے ایک ڈراما لکھا 'بارہ بج کر پانچ منٹ'، 'شاہراہ' دہلی اگست 1940 کے شمارے میں پہلی بار شائع ہوا۔

اس ڈرامے میں یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ صحافیوں سے معاشرہ کیسی کیسی غلط قسم کی توقعات رکھتا ہے۔ سرمایہ داروں نے کیسے اس عظیم پیشے کو تجارت سمجھا ہے جس سے ایک بااصول اور باضمیر صحافی کے لیے کام چلانا کتنا مشکل بن گیا ہے۔ یہاں اخبار کا مالک بھی کسی حد تک اس کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ وہ اڈیٹر کو حکم دیتا ہے کہ وہ اپنی اصول پرستی کو بالائے طاق رکھ کر اخبار میں مار دھاڑ، قتل و غارت، چوری چکاری و دیگر سنسنی خیز خبریں چھاپے۔ فیشن ایبل طبقے کی عورتوں کی خبریں، مس کلاک والا جیسے لوگوں کی روحانی صحت کا خیال رکھنے والا سوامی، چھوٹا آنند اپنا بھاشن صفحۂ اول پر چھپا دیکھنا چاہتے ہیں۔ پرانے اور نئے گجر کے نام نہاد لیڈروں کی کارکردگی اخبار کے صفحوں پر ہو۔ یہ ڈراما بہت ہی جاندار ہے۔ اس میں وحدت تاثر ہمیشہ برقرار رہتی ہے۔[۱]

متذکرہ بالا ڈراموں کے علاوہ بھی خواجہ احمد عباس نے 'میں کون ہوں' 1947، 'لال گلاب کی واپسی' 1965، 'رپورٹر' 1961 اور 'یہ امرت ہے' جیسے ڈرامے لکھے اور اسٹیج کیے جنھیں کافی سراہا گیا۔

چوں کہ خواجہ احمد عباس کے یہ سبھی ڈرامے تقریباً اپٹا کے لیے لکھے گئے، اس لیے بہتر یہ ہے کہ یہاں اپٹا کے قیام اور مقاصد پر بھی ایک نظر ڈالی جائے تاکہ اس کے ساتھ ساتھ عباس صاحب کا نظریہ بھی کچھ واضح ہوجائے۔

اردو ڈرامے کے فروغ میں اپٹا یعنی Indian Peoples Theatre Asociation نے اہم رول انجام دیا ہے۔ اپٹا سے قبل پارسی تھیٹر کا قدرے عامیانہ انداز، ہندوستانی ڈرامے کی قدیم اور شاندار روایت کے لیے مجروح کن ثابت ہوا تھا، بعد ازاں ہندوستان میں ریڈیو کی آمد نے ڈرامے سے اسٹیج کا ناتا توڑ دیا تھا۔ ان حالات میں ڈرامے کی عظمت کی بحالی کے لیے 1943 میں اپٹا کا قیام عمل میں آیا۔ اپٹا کے وجود میں آنے کے محرک، ڈرامے اور تھیٹر کے احیا کی ضرورت کے احساس کے ساتھ ساتھ وہ سماجی اور سیاسی حالات بھی تھے جو قومی اور عالمی سطح پر رونما ہو رہے تھے۔ طوفان کی طرح اٹھتا ہوا فاشزم، انسانیت کو پامال کرتا چلا جارہا تھا۔ ہندوستان پر بھی اس کے کالے بادل منڈلانے لگے تھے، جس کی ایک بھیانک شکل قحط بنگال کی صورت حال بھی تھی، اس کے علاوہ اس وقت ہندوستان میں جدوجہد آزادی اپنے بام عروج پر تھی۔ ایسے ماحول میں عوام میں بیداری پیدا کرنے اور ان کی ترتیب، تنظیم کے لیے بصری آرٹ (Visual Art) جیسے موثر اور کارگر ذریعے (Medum) کو فروغ دینا ضروری تھا۔

اپٹا نے تھیٹر اور ڈرامے کے عالمی منظرنامے کو اپنے سامنے رکھا اور تکنیکی سطح پر مشرقی روایت کے ساتھ ساتھ جدید مغربی تکنیک کو بھی اپنانے کی کوشش کی جس سے ڈرامے کی پیش کش میں بہت سے نئے اور کامیاب تجربے کیے گئے۔ اس تحریک کا ایک بڑا اثر یہ بھی ہوا کہ بہت سے نئے طبع زاد ڈرامے لکھے گئے۔[۲]

بلراج ساہنی نے 9 جنوری 1945 کو کہا تھا کہ ''اپٹا نہ تو کسی سیاسی جماعت سے منسلک ہے نہ کسی طبقے سے''[۳] لیکن پھر ایسا کچھ دیکھنے کو ہمیں نہیں ملا البتہ اپٹا نے ہمیشہ کمیونسٹ پارٹی اور ترقی پسندی کی ہی ترجمانی کی ہے۔ خواجہ احمد عباس اپٹا کے بانیوں میں ہیں، ان کے ساتھ اپٹا سے وابستہ دیگر لوگوں میں اس ڈی سلوا، شمبھو مترا، راجندر سنگھ بیدی، ساٹھے، بلراج ساہنی، حبیب تنویر، پرتھوی راج کپور، کیفی اعظمی، پریم دھون، سردار جعفری اور منصور ہاشمی وغیرہ جیسے اہم نام ہیں۔

اگرچہ اپٹا سے جڑنے کی وجہ سے خواجہ احمد عباس پر ترقی پسندی یا سیاست زدگی کا لیبل لگایا جاسکتا ہے، لیکن انھوں نے اردو ڈرامے میں تکنیک کے جو نئے تجربے کیے ہیں ان کو ہم کبھی نہیں بھول سکتے ہیں، اس لیے ابراہیم یوسف ان کے ڈرامے 'زبیدہ' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''اس ڈرامے کو اردو ڈرامے کی روایت کے خلاف ڈاکومینٹری فارم پر لکھا گیا ہے، اس طرح اپٹا نے ڈرامے کی ساخت اور پیش کش میں نئے نئے تجربات کیے، جس سے اردو ڈرامے کے لیے نئی راہیں کھلیں اور نئے تجربات کرنے کا حوصلہ پیدا ہوا''[۴]

خواجہ احمد عباس کے بارے میں ڈاکٹر ضیاء الدین کی رائے بھی اپنا خاص وزن رکھتی ہے:

''انھوں نے ڈرامے کو جہاں پایا وہاں سے اسے آگے لے جانے میں خاصا کام کیا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کا فنی جوہر ڈرامے کے مقابلے میں افسانہ اور ناول میں زیادہ کامیابی کے ساتھ نمایاں ہوا ہے''[۵]

حواشی:

۱. آجکل، جلد 72، شمارہ 11، جون 2014 (ص ک۔ خواجہ احمد عباس) ص ۶
۲. زبیدہ، خواجہ احمد عباس، نیا سنسار، ممبئی، ص 100
۳. ایضاً، ص 84-85
۴. ملاحظہ فرمایئے 'یہ امرت ہے' خواجہ احمد عباس، اشاعت گھر حیدرآباد دکن 1944
۵. ان ڈراموں کے سلسلے میں اس کتاب سے استفادہ کیا گیا ہے: 'خواجہ احمد عباس: افکار، گفتار، کردار (تہذیب و ترتیب) راج نرائن راز، ہریانہ اردو اکادمی، 1980
۶. اپٹا اور اردو ڈراما، شاہد رزمی، تخلیق کار پبلشرز، نئی دہلی، 1995، ص 12-11
۷. بیسویں صدی میں اردو ادب، مرتب گوپی چند نارنگ، ساہتیہ اکادمی، 2002، ص 220 (مضمون نگار انیس اعظمی، بیسویں صدی میں اردو تھیٹر، ڈراما)
۸. ترقی پسند ادب (پچاس سالہ سفر) ترتیب: پروفیسر قمر رئیس/ سید عاشور کاظمی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، 2000، ص 405
۹. خواجہ احمد عباس، ڈاکٹر ضیاء الدین، ادارہ فکر جدید، دریا گنج، نئی دہلی 1994، ص 116

◆◆◆

اردو دُنیا

محکمہ تعلیم سے شائع اسٹوڈنٹ ڈائری سے اردو سلیبس غائب

ویب سائٹ سے دسویں کلاس کا اردو کا سپورٹ میٹریل بھی ہٹایا گیا

نئی دہلی (۳۰ اگست)۔ دہلی میں دوسری سرکاری زبان کا درجہ رکھنے والی اردو کے ساتھ دہلی سرکار کے محکمہ تعلیم کا تعصبانہ رویہ مسلسل برقرار ہے اور اب اردو طلبہ کو دوسری زبان کے طلبہ کی طرح یکساں ملنے والی سہولت سے بھی محروم کرنے کی کوششیں شروع ہوگئی ہیں۔ اس کے تحت اس بار طلبہ میں تقسیم کی گئی ڈائریوں سے اردو سلیبس کو ہی غائب کردیا گیا ہے۔

دہلی سرکار کے محکمہ تعلیم کا رویہ اردو کے تعلق سے پوشیدہ نہیں ہے۔ دہلی ہائی کورٹ کی ہدایت کے باوجود گورنمنٹ ریڈر نہ ہونے کا بہانہ بناکر اردو اساتذہ کے تقرر کو التوا میں ڈالنے کا معاملہ ابھی زیادہ پرانا نہیں ہوا ہے۔ اس کے علاوہ گزشتہ تعلیمی سیزن میں اردو میڈیم کے طلبہ کو محکمہ تعلیم نے سپورٹنگ میٹریل فراہم کرانے سے بھی ہاتھ کھینچ لیے تھے جب کہ ہندی اور انگریزی میڈیم کے طلبہ کو یہ سہولت فراہم کرائی گئی تھی۔ اس بار محکمہ تعلیم کے افسران نے اردو کے طلبہ کو دوسرا جھٹکا دیا ہے۔ دہلی سرکار کا محکمہ تعلیم ہر سال طلبہ کو ایک 'اسٹوڈنٹ ڈائری' فراہم کراتا ہے۔ اس ڈائری میں سی بی ایس ای امتحان کے مطابق سلیبس بھی شائع کیا جاتا ہے لیکن اس بار محکمے کے ذریعے 2014-15 کے تعلیمی سیشن کے لیے چھٹی اور ساتویں کلاس کے طلبہ کے لیے شائع کرائی گئی ڈائری میں اردو کا سلیبس پرنٹ ہی نہیں کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ محکمے کی ویب سائٹ www.edudel.nic.in پر دسویں کلاس کا اردو کا سپورٹ میٹریل بھی غائب ہے۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

اردو میڈیم میں تعلیم کے معاملے میں مہاراشٹر سارے ملک میں سرفہرست

صدر مہاراشٹر اسٹیٹ اقلیتی کمیشن مناف حکیم کا دعویٰ

حیدرآباد (۲۳ اگست)۔ جناب مناف حکیم (صدر مہاراشٹرا اسٹیٹ اقلیتی کمیشن) نے تلنگانہ میں اقلیتوں کی ترقی اور فلاح و بہبود کی اسکیموں اور پروگراموں کی ستائش کرتے ہوئے کہا کہ یہاں اقلیتوں کی سماجی و تعلیمی ترقی کے لیے جو اقدام کیے جارہے ہیں وہ مثالی اور قابل تقلید ہیں۔ انھوں نے آج شام حج ہاؤس نامپلی میں واقع اقلیتی اداروں کے تفصیلی معائنے کے بعد اس تاثر کا اظہار کیا اور کہا کہ ان اسکیموں کو مزید تقویت پہنچائی جانے اور جو بھی پلاننگ کی جائے وہ آئندہ پچاس سال کے لیے ہونی چاہیے۔ جناب محمد جلال الدین اکبر ڈائرکٹر محکمہ اقلیتی بہبود و اسپیشل آفیسر ریاستی وقف اور پروفیسر ایس اے شکور اسپیشل آفیسر تلنگانہ اسٹیٹ حج کمیٹی نے ان کا خیر مقدم کرتے ہوئے ریاستی حکومت کی اسکیموں سے واقف کروایا۔ جناب محمد جلال الدین اکبر نے کہا کہ حکومت تلنگانہ اقلیتوں کی ترقی اور فلاح و بہبود کے لیے موثر اقدام کررہی ہے۔ محکمہ اقلیتی بہبود کے لیے جاریہ سال ایک ہزار کروڑ روپے کا بجٹ منظور کیا گیا ہے۔ جناب مناف حکیم نے جو کابینی وزیر کا درجہ رکھتے ہیں، مزید کہا کہ اردو زبان کے تحفظ اور اردو میڈیم میں تعلیم کے معاملے میں مہاراشٹر سارے ملک میں سرفہرست ہے۔ اردو میڈیم کے تعلیم یافتہ حضرات اعلا عہدوں پر نمایاں خدمات انجام دے چکے ہیں۔ انھوں نے خیال ظاہر کیا کہ اردو زبان اور اقلیتوں کی ترقی کے لیے جو بھی پالیسیاں بنائی جائیں وہ آئندہ پچاس سال کے لیے ہوں۔ انھوں نے کہا کہ مہاراشٹر میں اردو میڈیم کے بے شمار مدارس خدمات انجام دے رہے ہیں اور ان اداروں میں زیر تعلیم طلبہ و طالبات کی تعداد مقررہ حد سے تجاوز ہوچکی ہے جب کہ مراٹھی میڈیم کے جو سرکاری اور نیم سرکاری ادارے ہیں ان میں سے بیشتر بند ہوچکے ہیں یا بند ہونے کے قریب ہیں کیوں کہ مراٹھی طلبہ اب انگریزی میڈیم کو ترجیح دینے لگے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ اردو میڈیم کے کئی نئے اداروں کو گرانٹ بھی منظور کی جاچکی ہے۔ پروفیسر ایس اے شکور نے ریاست میں اردو کے چلن پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ متحدہ ریاست میں اردو کو 15 اضلاع میں دوسری سرکاری زبان کا درجہ حاصل تھا جب کہ نئی ریاست تلنگانہ کے 10 میں سے 9 اضلاع میں اسے دوسری زبان کا درجہ حاصل ہے۔ انھوں نے اردو تعلیم کے موقف پر بھی تفصیلی روشنی ڈالی اور اقلیتی مالیاتی کارپوریشن کی اسکیموں سے واقف کروایا۔

(رہنمائے دکن، حیدرآباد)

اردو کی محفوظ اسامیوں کی عام زمرے میں تبدیلی کا مطالبہ

حیدرآباد (۲۳ اگست)۔ اسٹیٹ ٹیچرس یونین (ایس ٹی یو) تلنگانہ اسٹیٹ کے قائدین چندر ریڈی ریاستی صدر اور پی بھوجنگ راؤ سکریٹری نے بتایا کہ یونین کے ایک وفد نے جناب محمد محمود علی (نائب وزیر اعلا حکومت تلنگانہ) سے ریاست کے اردو میڈیم مدارس اور اساتذہ کو درپیش مشکلات کے بارے میں واقف کراتے ہوئے ان کی یکسوئی پر زور دیا۔ وفد نے تقریباً 25 اہم امور کی نشان دہی کرتے ہوئے فی الفور انھیں حل کرنے کا مطالبہ کیا جس میں تمام خالی اسامیوں کو پُر کرنا، ریزرویشن کے ذریعے محفوظ اسامیوں کو عام اہل اساتذہ سے پُر کرنا، تمام ٹکسٹ بکس اور میٹریل وغیرہ اردو میں مہیا کرنا، SCERT میں اردو کے لیے علاحدہ سیل کا قیام، اردو میڈیم کی تمام جماعتوں کی درسی کتب اور ماڈلس بروقت فراہم کرنا، جونیر لکچرر اور ڈائیٹ لکچرر کی خالی اسامیوں کو فوری پُر کرنا اور رمضان المبارک میں مدارس کے اوقات کی تبدیلی کے لیے جامع احکام کی اجرائی عمل میں لانا شامل ہیں جس پر نائب وزیر اعلا نے وزیر تعلیم کو ایک مکتوب روانہ کرتے ہوئے ان مسائل کو فوری حل کرنے کے احکام جاری کرنے کی خواہش کی۔ اس وفد میں جناب پی بھوجنگ راؤ، جناب محمد فیض الدین، محمد کمال احمد کے علاوہ جناب آر سرینواس ریڈی، جناب سید وحید اللہ حسینی، جناب محمد افتخار الدین اور جناب علاء الدین انصاری وغیرہ شامل تھے۔

(اعتماد، حیدرآباد)

انجمن ترقی اردو کی جبل پور شاخ کو فعال کرنے کا عزم

جبل پور (ڈاک سے)۔ انجمن ترقی اردو جبل پور کی شاخ مدھیہ پردیش کی سب سے زیادہ فعال شاخوں میں سے ایک تھی لیکن اس کے صدر ڈاکٹر اشتوش شریواستو کے انتقال کے بعد سے اس کی سرگرمیاں ختم سی گئی تھیں۔ ۲۲ اگست کو صوبائی انجمن کے صدر پروفیسر آفاق احمد نے وہاں انجمن کے عہدیداروں کی ایک میٹنگ بلائی جس میں انجمن کو فعال بنانے کی مختلف تجاویز پر غور کیا گیا۔ اس میٹنگ میں انجمن کی لائبریری کے نگراں ڈاکٹر محمود شیخ نے جو بغیر کسی معاوضے کے لائبریری کو خوش اسلوبی سے زندہ رکھے ہوئے ہیں، مفید مشورے دیے اور انجمن کے زیر اہتمام ایک سیمینار منعقد کرنے پر زور دیا۔ جبل پور شاخ کے نائب صدر پروفیسر حنیف قادری کو اتفاق رائے سے کارگزار صدر منتخب کیا گیا۔ اس نشست میں جناب اسلام الحق اور شاہد خاں صاحب مشیر قانونی نے بھی اردو تعلیم خاص طور سے اردو کتب کی عدم فراہمی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے اردو طلبہ کے ساتھ اس زیادتی کا تدارک کرنے کے لیے ایم پی ٹیکسٹ بک کارپوریشن سے مطالبہ کیا۔ ممتاز شاعر اور انجمن کے سکریٹری طارق نظامی نے بھی مفید مشورے دیے۔ انجمن کی جبل پور شاخ کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر اشفاق عارف اردو سیکھو، اردو پڑھاؤ تحریک کو گھر گھر عام کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔

آخر میں ڈاکٹر آشتوش شریواستو صدر انجمن ترقی اردو جبل پور اور سابق وائس چانسلر رانی درگاوتی یونیورسٹی کی اردو خدمات کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے اُن کی آتما کی شانتی کے لیے دعا کی۔

(پریس ریلیز انجمن ترقی اردو مدھیہ پردیش)

کمرہٹی کے نمائندہ اردو وفد نے چیئرمین سے مل کر تعلیمی مسائل پر گفتگو کی

کمرہٹی، مغربی بنگال (۲۳ اگست)۔ کمرہٹی کے نمائندہ وفد نے کمرہٹی میونسپل کارپوریشن کے چیئرمین گوپال ساہا سے مل کر شانتی نگر اردو ہائی اسکول (بوائز) اردو گرلس ہائی اسکول کو آئندہ تعلیمی سیشن 2015 میں کھولنے، میونسپلٹی میں اردو کے دو اسٹاف مقرر کرنے اور پانچ سال سے کم عمر بچوں کے لیے جن کا داخلہ موجودہ قانون کے تحت اسکولوں میں نہیں ہو پاتا اُن کے لیے ICDS اردو مراکز قائم کرنے جیسے امور پر بات کی اور اُن کی توجہ دیگر نکات کی جانب بھی دلائی۔ وفد کی باتیں سننے کے بعد چیئرمین نے کہا کہ مجھے اب علم ہوا کہ دو منزلہ تعمیر شدہ شانتی نگر اسکول کو چلانے کی ذمہ داری میونسپلٹی کی ہوگی۔ انھوں نے کہا کہ مقامی MLA مدن مترا اور MP سوگت رائے سے اس سلسلے میں بات چیت کی جائے گی اور وفد کے اراکین بھی ایسا ہی کریں۔ اس موقعے پر انجمن ترقی اردو مغربی بنگال کے سکریٹری محمد سراج الدین نے چیئرمین کو وفد کی تمام باتوں سے آگاہ کیا۔ صنعت کار حاجی محمد حسنی انجینئر، جینس واٹر پلانٹ کے مالک پرویز احمد انجینئر، انجمن مقامی کے سکریٹری محمد نعیم، محمد نجیب الرحمن، محمد عبداللہ انصاری اور محمد نعیم (پپو) وفد میں شامل تھے۔

(اخبار مشرق، کلکتہ)

کرناٹک اردو ٹیچرس کونسل اور انجمن اساتذہ بنگلور کی مشترکہ پریس کانفرنس

سرکاری اردو اسکولوں کے معیارِ تعلیم کے لیے ٹھوس اقدام ناگزیر

بنگلور (۱۷ اگست)۔ ریاست کے سرکاری اردو اسکولوں کی تعلیم میں سدھار لانے کے لیے حکومت کی جانب سے ٹھوس اقدام ضروری ہے۔ اردو زبان کی بقا اور اس کے فروغ کے لیے اردو اسکولس اہم ذریعہ ہیں۔ اس طرف توجہ دینا تمام محبان اردو کی ذمہ داری ہے۔ یہ بات کرناٹک اسٹیٹ اردو ٹیچرس کونسل کے صدر فیض اللہ بیگ جنیدی، انجمن اساتذہ بنگلور نارتھ کے جنرل سکریٹری محمد حسین ذکی، انجمن کے سابق نائب صدر اسماعیل بیگ اور بنگلور نارتھ کے سی آر پی میر غالب رضا نے مشترکہ پریس کانفرنس کے دوران اردو میڈیا کو بتائی۔ سرکاری اردو اسکولوں کی نگرانی اور ان کے سدھار کے لیے حکومت کی جانب سے تشکیل شدہ اردو اور دیگر لسانی زبانوں کے ڈائرکٹریٹ کو بااختیار بنا کر اس کے دائرے کو موثر کیا

(بقیہ صفحہ ۶ پر)

یوپی ایس سی سے عربی و فارسی زبان کے اخراج کے بعد صدر جمہوریہ انعامات میں بھی تعصب

عربی میں تین کے بجائے دو اور فارسی میں تین کے بجائے اب ایک ہی اسکالر کو ایوارڈ

نئی دہلی (۲۳ اگست)۔ یونین پبلک سروس کمیشن سے عربی اور فارسی زبان کے اخراج کے بعد اب عربی و فارسی کے اسکالرس اور محققین کو صدر جمہوریہ کی طرف سے دیے جانے والے ایوارڈ کی تعداد اب تین سے گھٹا کر دو عربی اور ایک فارسی کے لیے کر دی گئی ہے جس سے عربی و فارسی کے اساتذہ اور اسکالرس میں سخت مایوسی ہے۔ حکومت کے اس اقدام سے واضح ہو گیا ہے کہ حکومت کا عربی اور فارسی زبان کی تعلیم کے تئیں جو بھی رویہ ہو لیکن مین اسٹریم سے دونوں زبانوں کو ہٹا کر حکومت صاف طور پر یہ پیغام دینا چاہتی ہے کہ اب عربی و فارسی کے لیے ہندستان میں کوئی جگہ نہیں رہ گئی ہے۔ اس سلسلے میں آل انڈیا ایسوسی ایشن آف عربک ٹیچرس اینڈ اسکالرس نے دہلی یونیورسٹی کے شعبۂ عربی میں ایک میٹنگ منعقد کی جس میں حکومت کے اس فیصلے پر رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے اسے عربی و فارسی زبان کے ساتھ ناانصافی بتایا اور اس کو دوبارہ بحال کرنے کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ یوپی ایس سی میں بھی ان دونوں زبانوں کو دوبارہ بحال کیا جائے۔ میٹنگ میں ایسوسی ایشن کے صدر پروفیسر محمد نعمان خاں (سابق صدر شعبۂ عربی، دہلی یونیورسٹی)، پروفیسر حبیب اللہ خاں (شعبۂ عربی، جامعہ ملیہ اسلامیہ)، ڈاکٹر حسنین اختر (شعبۂ عربی، الٰہ آباد یونیورسٹی)، ڈاکٹر فوزان احمد (شعبۂ عربی، جامعہ ملیہ اسلامیہ)، ڈاکٹر رضوان الرحمٰن (استاد شعبۂ عربی، جے این یو) اور ڈاکٹر نعیم الحسن اثری (استاد شعبۂ عربی، دہلی یونیورسٹی) شریک تھے۔ خیال رہے کہ اس سال صدارتی انعام کے لیے عربی سے احمد ابراہیم رحمت اللہ (کیرلا) اور شاہد احمد اعظمی (لکھنؤ یونیورسٹی) کو منتخب کیا گیا ہے جب کہ فارسی زبان کے لیے محترمہ نسیم اختر (بنارس ہندو یونیورسٹی) کو نامزد کیا گیا ہے۔ حکومت ہند نے ۱۹۵۸ء میں سنسکرت زبان کے اساتذہ اور دانش وروں کے ساتھ ان دونوں زبانوں کے علما اور اساتذہ کو بھی صدارتی انعامات سے نوازنے کی اسکیم شروع کی۔ چناں چہ شروع سے ہی تین عربی اور تین فارسی علما کو انعامات سے نوازا جاتا رہا لیکن اس سال حکومت ہند نے عربی کے دو اور فارسی کے ایک عالم کو ہی اس ایوارڈ سے نوازا۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ اس سال ۲۶ فروری ۲۰۱۳ کو جب سرکلر آیا تھا تو دونوں زبانوں کے لیے تین تین علما کو منتخب کرنے کی بات کہی گئی تھی لیکن اچانک اس تبدیلی سے عربی و فارسی کے اساتذہ اور اسکالرس کے اندر تشویش پیدا ہو جانا فطری بات ہے۔

واضح رہے کہ ہندستان میں فارسی اور عربی زبان تقریباً آٹھ سو سالوں تک تہذیب و ثقافت کی زبان بھی جاتی رہی ہیں۔ فارسی زبان تو تقریباً چھ سو سالوں تک سرکاری زبان رہی ہے جس میں ہندستانی تہذیب و ثقافت کے بیش بہا خزانے چھپے ہوئے ہیں۔ (انقلاب۔ دہلی)

ضلع میدک میں اردو اساتذہ کی خالی اسامیوں کو پُر کرنے کا مطالبہ

نارائن کھیڑ، تلنگانہ (۲۳ اگست)۔ ضلع میدک میں اردو میڈیم اسکولوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ ضلع میدک میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہے لیکن عمل ندارد ہے۔ ضلع میں تقریباً 240 اردو میڈیم اسکولوں میں 28 ہزار طلبہ و طالبات زیر تعلیم ہیں۔ کئی اسکولوں میں مضمون واری اساتذہ موجود نہیں ہیں، جس کی وجہ سے طلبہ کی تعلیم متاثر ہو رہی ہے۔ ضلع میدک میں 779 اساتذہ کی نشان دہی کی گئی ہے۔ 56 اسکول ایسے ہیں جن میں ایک بھی مستقل ٹیچر نہیں ہے۔ 18 پرائمری اسکولوں میں صرف ایک ٹیچر ہی موجود ہے، جن میں مزید اساتذہ کی سخت ضرورت ہے۔ کچھ ایسے ہائی اسکول بھی ہیں جو ایک استاد کے ذریعے چل رہے ہیں۔ ان اسکولوں میں پیٹرن کے لحاظ سے مضمون واری اساتذہ کی سخت ضرورت ہے۔ اب جب کہ اردو دوست تلنگانہ سرکار اپنے پورے آب و تاب کے ساتھ حکومت کرنے کے لیے تیار ہو چکی ہے، اس لیے، اردو والوں کی وزیر اعلا چندر شیکھر راؤ اور نائب وزیر اعلا جناب محمد محمود علی سے امید بجا ہے کہ وہ اس ضمن میں اقدام کرتے ہوئے نئے ڈی ایس سی کا اعلان کر کے اردو میڈیم اسکولوں سے انصاف کریں گے لیکن فی الفور سال گزشتہ کی طرح اردو میڈیم اکیڈمک انسٹرکٹرس کے تقرر کے لیے احکام جاری کریں۔ صدر آکا ضلع میدک جناب محمد عبدالکریم، سکریٹری جناب محمد انعام الدین، جوائنٹ سکریٹریز جناب ایاز الدین، محمد ابراہیم، نائب صدر جناب محمد معزالدین، خازن ریاض احمد خاں اور جناب محمد معین الدین نے ارباب مجاز سے مطالبہ کیا ہے کہ طلبہ کے مفاد میں اردو اکیڈمک انسٹرکٹرس کے جلد از جلد تقرر عمل میں لائے جائیں۔

(سیاست۔ حیدرآباد)

کرناٹک میں 28 ہزار اساتذہ کی اسامیاں خالی

بیدر، کرناٹک (۲۳ اگست)۔ ریاست میں 28 ہزار ٹیچروں کے عہدے خالی ہیں۔ وزیر برائے پرائمری اور ہائی اسکول تعلیم منسٹر کے رتناکر نے یہ بات بتائی۔ کنوا سابھی پریشد میں منعقدہ ایک تقریب کو خطاب کرتے ہوئے وزیر تعلیم نے بتایا کہ 11,500 ٹیچروں کے تقرر کے لیے محکمۂ فینانس نے منظوری دی ہے۔ پرائمری و ہائی اسکول اور پری یونیورسٹی کالجوں کے ٹیچروں اور لکچرروں کی اسامیوں پر تقررات کیے جائیں گے۔ وزیر تعلیم نے پروگرام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ریاست میں میڈیم کے تعلق سے سپریم کورٹ نے جو فیصلہ دیا ہے اس سے علاقائی زبانوں کو نقصان ہو رہا ہے جس کے پیش نظر تعلیمی پالیسی پر غور و خوض کے لیے تمام ریاستوں کے چیف منسٹرس کی میٹنگ طلب کرنے کے لیے ہمارے چیف منسٹر سدرامیا نے وزیر اعظم کے نام مکتوب تحریر کیا ہے۔

(سیاست۔ حیدرآباد)

سرکاری اردو اسکولوں کو بند ہونے نہیں دیا جائے گا

چتاملی، کرناٹک (۱۶ اگست)۔ بلاک ایجوکیشن افسر محمد خلیل نے آج اردو نمائندوں سے بات کرتے ہوئے کہا کہ چتاملی ضلعے کے حال ہی میں جو تین اردو گورنمنٹ اسکولس بند ہو گئے ہیں اس میں محکمۂ تعلیم اور اساتذہ کی بھی کوتاہی و لاپرواہی ہے لیکن ان بند ہوئے سرکاری اردو اسکولوں میں اگر دوبارہ دس سے زائد طلبہ کا داخلہ ہوا تو پھر سے ان اسکولوں کا آغاز کیا جائے گا۔ چتاملی ضلعے کے اردو سی آر پی حضرات کو سختی سے ہدایت دی گئی ہے کہ اردو اسکولوں کے مسائل کو سلجھانے کے لیے ایمان داری سے کام کریں اور اردو اسکولوں کی ترقی پر خصوصی توجہ دی جائے۔ جن اردو سرکاری اسکولوں میں طلبہ کی تعداد گھٹتی جا رہی ہے ان اسکولوں میں طلبہ کی تعداد میں اضافہ کرنے اساتذہ اور اردو سی آر پی حضرات کو کافی محنت کرنی ہوگی۔ انھوں نے ایک سوال کے جواب میں بتایا کہ اردو اسکولوں کے اساتذہ بچوں کو معیاری تعلیم دینے کے لیے زیادہ دل چسپی دکھائیں اور اسکولوں میں وقت مقررہ پر جا کر طلبہ کو ادب و احترام بھی ضرور سکھائیں۔ انھوں نے مزید بتایا کہ حکومت ہر گورنمنٹ اسکولوں کو ہر طرح کی ممکن سہولت فراہم کر رہی ہے۔ انھوں نے یقین دہانی کراتے ہوئے کہا کہ عنقریب چتاملی ضلعے کے تمام اردو اسکولوں کا جائزہ لیا جائے گا کیوں کہ اردو اسکولوں سے شکایتیں آ رہی ہیں کہ جہاں طلبہ کی تعداد 60 سے کم ہے، ان اسکولوں میں ایچ ایم ہیں۔ جہاں زیادہ طلبہ کے رہنے کے باوجود مستقل ایچ ایم نہیں ہے وہاں مستقل ایچ ایم کو مقرر کرنے کی محکمۂ تعلیم کے اعلا افسران سے بات چیت کر کے اس مسئلے کو بھی حل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

(سالار۔ بنگلور)

رفتید و لے نہ از دلِ ما

مشہور و ممتاز صحافی و پدم بھوشن جناب بلراج پوری کا ۳۰ اگست ۲۰۱۳ کو جموں میں انتقال ہو گیا۔ وہ 86 برس کے تھے۔ چند دنوں سے علیل بلراج پوری کا صبح ساڑھے چھ بجے انتقال ہوا۔ کئی اردو اور انگریزی کے اخبارات نکالنے والے بلراج پوری نے مختلف علاقوں اور فرقوں کے درمیان امن اور خیر سگالی کا ماحول قائم کرنے میں اہم رول ادا کیا۔

انھوں نے ۱۹۷۵ء میں شیخ عبداللہ اور اندرا گاندھی کے درمیان مشہور سمجھوتہ کرانے میں ثالثی کا کردار ادا کیا تھا۔ انھیں سال ۲۰۰۵ء میں پدم بھوشن ایوارڈ دیا گیا تھا اور سال ۲۰۰۹ء میں انھیں اندرا گاندھی سدبھاونا ایوارڈ سے نوازا گیا تھا۔ انھوں نے مختلف موضوعات پر کئی کتابیں بھی لکھیں۔ ملک کے بڑے سے بڑے سیاست داں ان کی رائے کو بہت اہمیت دیتے تھے۔

ادارہ 'ہماری زبان' مرحوم کے پس ماندگان کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

(ادارہ)

شیوپوری پرائمری اسکول میں اردو سیکشن قائم کرنے کا مطالبہ

نئی دہلی (۱۴ اگست)۔ الفلاح ایجوکیشن سوسائٹی (رجسٹرڈ) نے مشرقی دہلی کے مختلف اسکولوں میں نئے تعلیمی سال کے موقعے پر اردو تعلیم کے فروغ پر خاص توجہ دی ہے اور جہاں جہاں اردو پڑھنے کے خواہش مند طلبہ ہیں وہاں پرنسپل پر دباؤ بنا کر اردو تعلیم کے لیے اساتذہ رکھنے کے لیے کہا ہے۔ سوسائٹی کے جنرل سکریٹری قاری محمد یاسین نے بتایا کہ ہم نے انجمن آواز دوست اور بھارتیہ ایکتا کمیٹی کو ساتھ لے کر دہلی اور خاص طور سے جمنا پار کے اسکولوں میں اردو تعلیم کے لیے پچھلے کئی سالوں سے مہم چلا رکھی ہے۔ اب تک ۱۰ اسکولوں میں اردو اساتذہ کا تقرر کروا کر اردو تعلیم شروع کرائی ہے۔ انھوں نے کہا کہ شیوپوری میں مڈل اسکول تک تعلیم جاری تھی اور اب یہ سوسائٹی کی کوششوں سے سینئر سیکنڈری اسکول بن چکا ہے۔ جہاں اردو تعلیم بھی جاری ہے، اس کے ساتھ ہی شیوپوری میں ایک پرائمری اسکول ہے جہاں اب تک اردو سیکشن کا قیام عمل میں نہیں آ سکا ہے۔ انھوں نے کہا ہے کہ اس سیکشن میں ہماری کوشش ہے کہ یہاں بھی اردو کی تعلیم دی جائے، جس کے لیے ہم مقامی سطح پر مہم چلا رہے ہیں اور افسران سے بھی مستقل خط و کتابت جاری ہے۔ انھوں نے اس بات کا مطالبہ کیا کہ شیوپوری میں اب تک کوئی مستقل استاد نہیں ہے، اس لیے سرکار سے ہمارا مطالبہ ہے کہ جہاں جہاں اردو اساتذہ نہیں ہیں وہاں مستقل اردو اساتذہ رکھے جائیں۔ انھوں نے کہا کہ ابھی تک موجودہ سرکار نے اردو کے تعلق سے اپنا موقف واضح نہیں کیا ہے۔ انجمنوں کی تعلیمی پیش رفت کے حوالے سے ابھی تک کوئی واضح اشارہ بھی نہیں کیا ہے۔ ہمارا مطالبہ ہے کہ وہ انجمنوں کی تعلیمی ترقی اور اردو کے فروغ کے لیے اپنا موقف واضح کرے۔

(انقلاب۔ دہلی)

اردو صحافیوں کو نظر انداز کرنے کے خلاف احتجاج

گلبرگہ، کرناٹک (یکم اگست)۔ سینئر صحافی عزیز اللہ سرمست (ایڈیٹر روزنامہ دکنی نیوز گلبرگہ) نے کرناٹک ورکنگ جرنلسٹس ایسوسی ایشن گلبرگہ ضلع کے زیر اہتمام منعقدہ یوم صحافت میں گلبرگہ ضلع

(بقیہ صفحہ ۷ پر)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : رسالہ **شاہراہ**
تجزیاتی مطالعہ اور اشاریہ
مصنف : نوشاد منظر
ضخامت : ۳۰۴ صفحات
قیمت : ۳۰۰ روپے
ناشر : ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس
لال کنواں، دہلی-۶
تبصرہ نگار : علی احمد فاطمی

زیر تبصرہ کتاب ایک ایسے نوجوان کی تصنیف اور تحقیق ہے جس نے ایک زمانے میں مشہور ترقی پسند رسالہ 'شاہراہ' کا اشاریہ ترتیب دیا ہے۔ ۱۹۳۹ء سے لے کر ۱۹۶۰ء تک نکلنے والا یہ رسالہ ترقی پسند ادب و ادیبوں کی غیر معمولی پہچان تھا۔ اس کے مدیران میں ساحر لدھیانوی، ظ انصاری، پرکاش پنڈت، واحق جونپوری وغیرہ شامل تھے۔ معیاری مشمولات کے علاوہ معیاری مباحث کے لیے یہ رسالہ تیزی سے ترقی پسندوں اور غیر ترقی پسندوں میں بھی خوب خوب مقبول ہوا۔ ممتاز شاعر مظہر امام کے پاس اس رسالے کی مکمل فائل تھی جو انھوں نے وفات سے قبل ایک ہونہار نوجوان ادیب سرور الہدیٰ کو دے دی۔ سرور نے ایک اور ہونہار نوجوان کو تلاش کر کے اس کے اشاریے کا کام سونپ دیا۔ یہ ہونہار طالب علم ہے نوشاد منظر، جس نے نہایت عرق ریزی کے ساتھ نہ صرف اشاریہ تیار کیا بلکہ توضیحی اشاریہ بھی پیش کیا جس میں تمام اصناف اور مشمولات کی وضاحت کی گئی ہے اور فہرست سازی میں جملہ اصناف کے اعتبار سے ترتیب تیار کی گئی، یہ بڑی بات ہے۔ یہی نہیں حرف آغاز میں اشاریہ کی تعریف اور تاریخ پر سرسری گفتگو کی گئی ہے اور تفصیل سے اداریے، مضامین، نظمیں، غزلیں، افسانے وغیرہ پر گفتگو کی گئی ہے۔ ہرچند کہ مرتب نے یہ اعتراف بھی کیا ہے کہ اسے شاہراہ کی مکمل فائل نہیں مل سکی ہے تاہم اس کی ترتیب، تجزیہ اور اشاریہ اس قدر غیر معمولی ہے کہ کتاب اپنے آپ میں منفرد اور اہم ہو گئی ہے۔ ہمارے سند اس طرح کے کام اسی وقت ہو پاتے ہیں جب استاد اور شاگرد دونوں اپنے اپنے مقام پر معتبر اور صادق ہوں۔ اس کتاب کے تعلق سے اعتبار اور صداقت باہم شیر و شکر ہو گئے ہیں اور اس طرح ایک اچھی تحقیقی کتاب وجود میں آگئی ہے جس کے لیے دونوں کو مبارک باد دی جاتی ہے۔
ابتدا میں ممتاز ادیب، مدیر اور صحافی عابد سہیل کا 'عرض' کے عنوان سے ایک مختصر سا مقدمہ ہے جو اس کتاب کو مزید وقیع بناتا ہے۔ بے حد خوب صورت طباعت اور گٹ اپ میں مزین یہ کتاب ۳۰۴ صفحات پر مشتمل ہے جسے ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس نے شائع کیا ہے۔ میں نوجوان نوشاد منظر کو دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

***

نام کتاب : ہندستانی مسلمان
تشکیل نو : اسلم کاویانی
ضخامت : ۲۸۸ صفحات
قیمت : ۵۰۰ روپے
پبلشر : کاویانی پبلشرز، عظمت نمبر ۲۰۴،
گلشن اپارٹمنٹ، دیلیج روڈ،
بائیکلہ، ممبئی-۴۰۰۰۱۰
تبصرہ نگار : ڈاکٹر سید معصوم رضا عشروی

ہندستان میں مسلمانوں کے حوالے سے اردو میں کئی اہم کام ہوئے، مختلف اداروں نے اعداد و شمار کی اشاعت کی لیکن شمس کنول کے جریدے ماہنامہ 'کنگن' کے ہندستانی مسلمان نمبر (۱۹۷۵ء) کو نایاب و نادر دستاویز کی حیثیت حاصل ہے۔ اس کی سماجی افادیت کے مدنظر اسلم کاویانی نے اس کی تشکیل نو کا عزم ارادہ کیا اور اس کی دیدہ زیب اشاعت میں وہ کامیاب ہوئے۔ نئے آب و تاب کے ساتھ 'کنگن' کا یہ ضخیم نمبر کمپیوٹرائز طباعت کے ساتھ منظر عام پر آیا جس میں سب سے پہلے کچھ اہم فوٹو گراف شامل ہیں۔ اس کے بعد ذیلی عنوانات کے تحت مختلف موضوعات سے متعلق مضامین ہیں۔ سب سے پہلے 'قلم پر قلم' کے عنوان کے تحت ۲۹ مضامین کو شامل کیا گیا ہے جس میں اسلامی قانون، اسلام پہلے بعد میں سب کچھ، تقسیم ملک کے بعد اثرات، ہندستانی مسلمانوں کا تاریخی کردار، مسلمان اور وطن دوستی، سیاست اور اقلیت، مسلمان اور احساس کمتری، پہلے مسلمان یا ہندستانی، مسلمان اور تعلیم، مسلمان تو اچھے انسان بنو، ہم سب ہندستانی ہیں وغیرہ جیسے کارآمد اور مفید مضامین کی فہرست ہے جس میں آزادی کے بعد کے مدبر و مفکر، مشاہیر ادب اور دانشوروں کے خیالات شامل ہیں۔ دوسرے ذیلی عنوانات کے تحت 'بیرِ ملاقات' میں ۹ مضامین شامل ہیں جس میں پال شا کرے کا مضمون 'پہلے ہندستانی بعد میں مسلمان'، شمیم احمد کا مضمون 'کئی سرچشموں کی ضرورت ہے' اور وی گجر کا مضمون 'مسلمان اور سرکاری ملازمتیں' وغیرہ میں بڑی عرق ریزی کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ تیسرے ذیلی عنوان 'آنے والے سحر کی ضو ہیں ہم' کے تحت سات مضامین کو شامل کیا گیا ہے جس میں 'ہندستانی معیشت میں مسلمانوں کا مستقبل' اور 'مسلمانوں کے معاشی مسائل' وغیرہ اہم ہیں۔ چوتھے ذیلی عنوان 'آپ اپنی دھرتی' کے تحت صرف ایک مضمون 'کوئی شے مستقل نہیں تبدیلی کے سوا' شمس کنول کا تفصیلی مضمون ہے جس میں مختلف عنوانات کے حوالے سے سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ پانچویں ذیلی عنوان 'انجمن خیال' کے تحت بارہ منظوم کلام کو شامل کیا گیا ہے جنھیں پند و نصائح کے ساتھ ساتھ طنز و تنقید کے زمرے میں رکھا جا سکتا ہے۔ اس میں اکبر الٰہ آبادی، جوش ملیح آبادی، الطاف حسین حالی، مولانا محمد علی جوہر اور نشتر خانقاہی وغیرہ کے کلام شامل ہیں۔ چھٹے ذیلی عنوان 'عظمت گہہ عالم' کے تحت دس مضامین شامل ہیں جس میں ہندستانی مسلمانوں کے تہوار، اردو کے آٹھ سو برس، مسلم تجارت اور مسلمانانِ ہند کی قربانیوں کا جائزہ وغیرہ اہم ہیں۔ آخر میں بزرگان قوم کے ذیلی عنوان کے تحت معتبر، معزز اور محترم حضرات کی سرسری تفصیل پیش کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ 'نشان راہ' کے عنوان کے تحت اختصارات و جوابات، کاروانِ حکمت کے تحت مسلم سیاسی تحریکیں و مذہبی جماعتیں، دانش کدے کے عنوان کے تحت مدرسے، لائبریریاں و اخبارات وغیرہ کی تفصیل ہے۔ اقتباسات اور تراشے کے عنوان کے تحت مختلف موضوعات پر مختصر مگر پر اثر اقتباسات کو شامل کیا گیا ہے جس سے ہمیں غور و فکر کی دعوت ملتی ہے۔
بلاشبہ اسلم کاویانی نے جس نادر و نایاب دستاویز کو نئی شکل میں پیش کیا ہے وہ آج کے انٹرنیٹ کے دور میں نہ صرف دور رس اثرات قائم کرے گا بلکہ یہ نئی نسل کے نوجوان محقق، دانشور اور مدبر حضرات کو مدلل و معیاری مواد بھی فراہم کرے گا جس میں ماضی کے آئینے میں حال کی تصویر کو دیکھا اور پرکھا جا سکتا ہے اور منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے اسے ایک سنگ میل تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ زیادہ تر مضامین اپنی معنویت کو عصر حاضر میں برقرار رکھتے ہیں۔ مسلمان، اسلام اور ہندستان کے حوالے سے یہ کتاب اہم دستاویزی کوشش ہے جس کی ستائش لازمی ہے۔

***

بقیہ: اقبال مرزا کی یاد میں

صفحہ ۸ سے آگے

کرتے تھے مثلاً ایک اداریے میں لکھا:
"آخر عالم انسانی میں یہ بے چینی کیوں ہے؟ ہم کیا چاہتے ہیں؟ ہماری ہوس کا پیٹ کب بھرے گا؟"
پورا اداریہ انھی سوالات کے جوابات کی تلاش میں لکھا گیا۔
ایک اور اداریہ کا عنوان ہی قائم کرتے ہیں: 'یہ کیا ہونے والا ہے؟'، ایک اداریے میں یہ سوال اٹھایا کہ ہم آنے والی نسلوں کو بہتر انسان کس طرح بنا سکتے ہیں؟ ایک اداریہ کا عنوان یہ مصرع تھا:
'دل بہت گھبرا رہا ہے کیا کریں؟'
ہرچند کہ وہ مفکر و دانشور تھے، شاعر بھی اوسط درجے کے ہی تھے لیکن انسان بہت اچھے تھے اور اسی منزل کو چھو رہے تھے جس کے لیے غالب نے کہا تھا:
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا
یہ سارے اداریے، سارے سوالات انسانیت کے بطن سے ہی جنم لے رہے تھے جس کو وہ پوری سادگی اور ایمانداری کے ساتھ لکھ جاتے تھے اسی لیے ان میں ایک اپیل تھی اور ایک پیغام بھی۔ ذاتی گفتگو میں جب میں ان کے اداریے کی تعریف کرتا تو ان کے پان کھائے گلابی ہونٹ کھل اٹھتے بس اتنا ہی کہتے "واقعی کہہ رہے ہو؟"۔ ایک بار میں نے ان کی شاعری کے بارے میں کہا تھا کہ روایتی رومانی شاعری کا دور گیا، اب جب تک انسانی اور ذہنی شاعری نہیں کریں گے بات نہیں بنے گی۔ چنانچہ لکھنوی انداز کے اس شاعر کو ذہن کی بات کتنی سمجھ میں آئی لیکن یہ ضرور ہوا وہ مسائل و مباحث جو وہ اداریے میں اٹھاتے تھے اب ان کا عکس ان کی شاعری میں بھی نظر آنے لگا تھا اور جب ان کا پہلا شعری مجموعہ 'بوئے زندگی' شائع ہو کر منظر عام پر آیا تو صاف محسوس ہوا کہ وہ اپنی روایتی شاعری کو بہت پیچھے چھوڑ کر نئی قسم کی انسانی اور کائناتی شاعری کرنے لگے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کی رہنمائی شاہد ماہلی کی دوستی، محبت اور قربت نے بھی کی۔ وہ شاہد صاحب کی شاعری سے خاصے متاثر تھے اور کہتے تھے کہ یہ شخص کب اور کیسے اتنی اچھی شاعری کر لیتا ہے۔ میں نے کہا وہ عموماً خاموش رہتے ہیں اور شعر میں بولتے ہیں۔ آپ عام ملاقاتوں میں بہت بولتے ہیں شعر میں کم بولتے ہیں۔ ہنس کر بولے اب جو دوسرا مجموعہ آئے گا تو تمھاری ساری شکایت دور ہو جائے گی۔
'صدا' پابندی سے آتا رہا اور وہ مضامین کے تقاضے کرتے رہے۔ کئی مضامین شائع بھی کیے۔ رسالے کی وجہ سے اور شاہد ماہلی کی دوستی کی وجہ سے ہندستان آنا جانا کثرت سے ہونے لگا۔ ایوان غالب دہلی کی دعوت پر وہ تقریباً ہر سال دہلی آتے۔ اپنے وطن لکھنؤ بھی جاتے، وہ ایک بار میری دعوت پر الٰہ آباد بھی آئے۔ غرض کہ ملاقاتوں اور محبتوں کے سلسلے دراز ہوتے گئے۔ میں نے ان کے پہلے شعری مجموعے پر تفصیلی مضمون لکھا جو انھیں بے حد پسند آیا۔ اب جذباتی سے زیادہ نظریاتی رشتے قائم ہو چکے تھے۔ ان کی شاعری اور زندگی دونوں میں جو انسان دوستی اور احترام آدمیت کے عناصر بیدار ہو چکے تھے ان سے میں متاثر ہو چلا تھا۔ وہ ایوان غالب کے ملازمین اور باہر چائے اور پان والے سے بھی اتنے پیار بھرے انداز میں بات کرتے تھے کہ یہ سب ان کے گرویدہ ہو جاتے۔ ایک بار وہ علیل ہوئے تو پان والے نے لندن فون کر کے ان کی خیریت دریافت کی۔ یہی عام جذبہ، سادگی اور انسان دوستی ان کی شاعری میں بھی ابھر کر آئی تھی جسے وہ بڑے سہج اور شفاف انداز میں پیش کر دیتے تھے اسی لیے اس میں تاثیر پیدا ہو جاتی تھی جس کی میں تعریف کرتا۔ اسی لیے جب انھوں نے دہلی کی ایک ملاقات (جو غالباً آخری ملاقات تھی) میں دوستانہ انداز میں مجھ سے کہا کہ میری خواہش ہے کہ جب دوسرا مجموعہ تم شائع کرو تو تمام تر مصروفیات کے باوجود

میں انکار نہ کرسکا۔ میں نے ان کی تازہ غزلوں اور نظموں کو پڑھا تو حیران رہ گیا۔ ان میں فکر کی گہرائی، سوالات کی سنجیدگی تھی۔ یقین اور گمان کے سلسلے تھے۔ چند اشعار آپ بھی دیکھیے:

خود اپنے ہی وجود پہ ہونے لگا گماں
ہم کو تو اس جہان میں پرچھائیاں ملیں
ہر چیز عارضی ہے ابھی ہے ابھی نہیں
لگتا ہے کائنات بھی وہم و گماں کی ہے
کبھی گماں کبھی یقین کمال ہے
بس اس کے پیچھے چلتا ہوا مرا دل ہے
یہ زندگی کا سفر بھی عجب سفر مرزا
جو سانس لیتا ہے وہ بھی سفر میں شامل ہے

میں نے اس نوع کے اشعار کی تعریف کی تو خوش ہوئے اور حکم دیا کہ اب تمہیں مقدمہ بھی لکھنا ہوگا اور میں نے لکھا ''یقین اور گماں کا شاعر''۔

میں نے ساری غزلوں، نظموں وغیرہ کو کمپوز کرواکے لندن روانہ کردیا۔ کئی ماہ کے بعد مسودہ واپس آیا چند مزید غزلوں اور نظموں کے ساتھ، ساتھ ہی چند ہدایتیں بھی تھیں، مجموعے کا نام، انتساب وغیرہ میں نے سب کچھ ان کی ہدایت کے مطابق کمپوز کروایا۔ اخراجات کے متعلق بھی فرمایا کہ ان کا ایک اکاؤنٹ لکھنؤ میں ہے جیسے ہی ہندستان آئیں گے رقم کی ادائیگی ہوجائے گی۔ یہ بات انھوں نے میرے استاد پروفیسر سید محمود الحسن رضوی سے بھی کہی۔ میرے لیے یہ مسئلہ نہ تھا۔ بس یہ مجموعہ پریس جانے ہی والا تھا کہ دہلی سے شاہد ماہلی صاحب نے اطلاع دی کہ اقبال مرزا اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ ایک مختصری علالت نے انھیں ہم سے چھین لیا۔ ویسے تو اس دنیا میں جو بھی آیا ہے اس کو ایک نہ ایک دن جانا ہی ہے، سبھی جاتے ہیں لیکن کچھ لوگ اپنی سادگی، محبت اور محنت کی ایسی چھاپ چھوڑ جاتے ہیں کہ ان کا جانا بہت تکلیف دہ ہوا کرتا ہے۔ اقبال مرزا کا جانا میرا ذاتی نقصان تو ہے ہی، اردو شعر و ادب کا بھی بہت بڑا نقصان ہے۔ مغرب میں خاص طور پر برطانیہ میں جس کڑی محنت اور مخالفت میں انھوں نے اردو تہذیب و ادب کی خدمت کی ہے وہ بے مثال ہے۔ 'صدا' کا شائع کرنا ایک غیر معمولی کام تھا جو انھوں نے تقریباً تیس برس تک انجام دیا اور نوجوانوں میں اردو پڑھنے پڑھانے کا شوق جگایا۔ مشاعرے، مذاکرے منعقد کیے کرائے۔ جب میں ان کی تعریف کرتا تو لکھنوی انداز میں کہتے ''میاں یہ بھی کوئی کام ہے، کام تو ہمارے بزرگ کرگئے، پھر بھی جو وقت ملے اچھے کام کرلو اور چلتے بنو''۔

آج اقبال مرزا بھی چلے گئے۔ لندن، دہلی، لکھنؤ کو ویران کرگئے۔ الوداع اقبال مرزا، الوداع۔ ہم کوشش کریں گے کہ آپ کی 'صدا' مرنے نہ پائے۔

○○

بقیہ صفحہ ۴ سے آگے

جانا چاہیے۔ انھوں نے بتایا کہ مذکورہ ڈائرکٹریٹ کا قیام آنجہانی وزیر اعلا رام کرشنا ہیگڑے کے دور اقتدار میں عمل میں لایا گیا تھا۔ اردو اسکولوں میں اردو سے واقفیت رکھنے والے کنڑ ٹیچروں کا ہی تقرر ہونا چاہیے۔ انھوں نے کہا کہ اردو اسکولوں کی ذاتی عمارتیں بھی ہونی چاہئیں کیوں کہ اکثر اسکولس مساجد کی ملکیت میں چلائی جارہی ہیں۔ انھوں نے اردو اسکولوں میں انفرااسٹرکچر پر بھی زور دیا اور کہا کہ اس وقت اسکولوں میں فرنیچر نہیں کے برابر ہے۔ انھوں نے اس بات پر بھی زور دیا کہ جن اردو اسکولوں میں اساتذہ کے عہدے خالی ہیں ایسے اسکولوں کی نشان دہی کرکے خالی عہدوں کو پُر کیا جائے۔ مسٹر جنیدی نے مزید کہا کہ ریاست کے تمام اردو اسکولوں میں پانچ ہزار سے زائد اساتذہ کے عہدے خالی پڑے ہوئے ہیں۔ کئی ایسے اسکولس بھی ہیں جہاں ہیڈ ماسٹرس کے ہی عہدے خالی پڑے ہوئے ہیں۔ انھوں نے اس بات کی بھی مانگ کی کہ بلاک ایجوکیشن افسر (بی ای او) دفتر میں اردو سے واقف ایک کوآرڈینیٹر کو مقرر کیا جائے، نیز جو سرکاری اسکیمیں کنڑ اسکولوں کے لیے جاری کی جاتی ہیں یہ اسکیمیں اردو اسکولوں کے لیے بھی جاری کی جائیں۔ محمد حسین ذکی نے بتایا کہ حکومت کی جانب سے جاری سروشکشا ابھیان (ایس ایس اے) سمیت دیگر اسکیموں اور پروگراموں کا اردو اسکولوں کو خاطر خواہ فائدہ نہیں پہنچ رہا ہے، اس لیے مذکورہ پروگراموں اور اسکیموں کو اردو اسکولوں میں بھی لازمی قرار دینا چاہیے۔ انھوں نے بتایا کہ ریاست میں 3800 سرکاری اردو پرائمری اور 120 ہائی اسکولوں میں تقریباً 17 ہزار اردو اساتذہ ہیں۔ ان اسکولوں کے تعلیمی معیار میں سدھار لانے کے لیے اساتذہ کی بھی نگرانی ضروری ہے۔ فیض اللہ بیگ جنیدی نے کہا کہ آج خواتین اساتذہ کے بتائے میں خواتین اساتذہ کی تعداد کافی زیادہ ہے۔ اگر وہ درس و تدریس میں دلچسپی لیں تو اسکولوں میں سدھار ممکن ہوگا۔ انھوں نے بتایا کہ دور حاضر میں ہر کوئی اپنے بچوں کو پرائیویٹ کانونٹ اسکولوں میں ہی پڑھانا چاہتا ہے، لیکن ان پرائیویٹ اسکولوں میں اردو سبجیکٹ پڑھانے کا کوئی انتظام نہیں ہے، اس لیے مذکورہ کانونٹ اسکولوں میں بھی اردو سبجیکٹ پڑھانے کا انتظام ہونا چاہیے۔ انھوں نے بتایا کہ اردو ہماری مادری زبان ہے، اس لیے اس زبان کی بقا اور تحفظ کی ذمہ داری ہم سب پر عائد ہوتی ہے۔ مقامی اداروں اور انجمنوں کے ذمہ داروں کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے اپنے علاقوں کے بچوں کو اردو اسکولوں کی طرف متوجہ کروائیں۔ اس کے علاوہ اساتذہ کی انجمنوں کو بھی چاہیے کہ وہ اس معاملے میں اپنے اختلافات کو بھلا کر متحد ہوجائیں۔ مسلم لیڈران کی بھی ذمہ داری ہے کہ اردو اسکولوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے حکومت پر دباؤ ڈالیں۔

(سالار، بنگلور)

بقیہ صفحہ ۵ سے آگے

کے اردو صحافیوں کو نظر انداز کیے جانے کے خلاف احتجاج کیا ہے۔ انجمن نے اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ یوم صحافت میں 14 صحافیوں کو مختلف ایوارڈس دیے گئے جن میں دو مسلمان بھی شامل ہیں، لیکن ان کا تعلق اردو صحافت سے نہیں ہے۔ گزشتہ ۵ سالوں سے ورکنگ جرنلسٹس ایسوسی ایشن یوم صحافت کے پروگرام میں صحافیوں کو ان کی خدمات کے لیے ایوارڈس دینے کا سلسلہ جاری رکھا ہے۔ لیکن ایک دو اردو کے صحافیوں کو معمولی نوعیت کے ایوارڈس دیے گئے۔ ٹی ایس آر کا فکر باوقار ایوارڈ آج تک اردو کے کسی صحافی کو نہیں دیا گیا۔ عزیز اللہ سرمست نے اس بات پر اظہار تاسف کیا ہے کہ اردو صحافیوں کے خاموش رہنے کے سبب انھیں مسلسل نظر انداز کیا جارہا ہے حالاں کہ گلبرگہ شہر سے اردو کے پانچ روزنامے، دو ہفتہ وار اخبار شائع ہوتے ہیں۔ ان اخبارات کے علاوہ حیدرآباد اور بنگلور کے اردو اخبارات سے وابستہ اردو صحافیوں کی تعداد گلبرگہ شہر اور ضلع بھر میں 50 کے قریب ہے۔ اس کے باوجود ورکنگ جرنلسٹس ایسوسی ایشن کی جانب سے اردو صحافیوں کو ایوارڈس کے لیے نظر انداز کیا جانا واقعی افسوس ناک ہے۔

(سالار، بنگلور)

یادِ رفتگاں

اقبال مرزا کی یاد میں

پروفیسر علی احمد فاطمی (شعبۂ اردو الٰہ آباد یونیورسٹی، الٰہ آباد، یوپی)

اقبال مرزا بھی چلے گئے — بغیر بتائے، شور و غل کیے بنا، بس چل دیے۔ وہ ہر کام ایسے ہی کرتے تھے۔ اندر ایک منصوبہ ہوتا تھا باہر بے فکری اور بے نیازی۔ عجیب شخص تھے اقبال مرزا — گفتگو کا کھلاپن انھیں ہمہ وقت گلزار کیے رکھتا۔ تحریر و تخلیق کا سنجیدہ رویہ شعر و ادب میں فرق کیے رکھتا — بڑے سے بڑا کام کر جاتے لیکن پورے معمولی پن کے ساتھ۔ لیکن ان کا یہی معمولی پن ان کو غیر معمولی بنائے ہوئے تھا جس کی انھیں خبر ہی نہ تھی۔

اقبال مرزا سے ہمارے تعلقات کی مدت کم و بیش تین دہائیوں پر مشتمل تھی۔ ۱۹۸۵ء میں انجمن ترقی پسند مصنفین کی گولڈن جبلی کانفرنس میں شرکت کرنے پہلی بار لندن گیا، اقبال مرزا کانفرنس کے روح رواں اور منتظم خاص سید عاشور کاظمی کے دوست تھے۔ اس وقت اقبال مرزا کے پاس ایک پریس تھا۔ عاشور کاظمی نشر و اشاعت کے سارے کام انھی سے لیتے تھے اسی وقت اقبال مرزا سے میری پہلی ملاقات ہوئی۔ وہ پریس میں بالکل نہ لگے۔ گورے چٹے اقبال مرزا بالکل انگریزوں جیسے۔ جب پتا چلا کہ وہ خالص لکھنؤ کے ہیں اور وہ بھی کشمیری محلے کے تو مزید مسرت ہوئی کہ جغرافیائی اعتبار سے الٰہ آباد لکھنؤ سے بے حد قریب ہے۔ ان کا گفتگو کرنے کا انداز، پان کھانے کا انداز بالکل مشرقی بلکہ لکھنوی تھا۔ جب یہ بھی پتا چلا کہ وہ گزشتہ کئی دہائیوں سے برطانیہ میں مقیم ہیں اور پاکستان ہوتے ہوئے مغرب میں آئے ہیں تو واقعی یہ حیرت کی بات تھی۔ ان کے خلوص و محبت سے میں بے حد متاثر ہوا۔ وہ جلد ہی گھل مل گئے۔ عاشور صاحب سے تو ان کی بے تکلفی تھی ہی، جلد ہی وہ مجھ سے بھی بے تکلف ہو گئے اور میں بھی پوری بے تکلفی کے ساتھ کانفرنس کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا لیکن یہ حیرت اپنی جگہ پر برقرار رہی کہ ایک شخص جو کئی دہائیوں سے لندن میں رہ رہا ہے، مغربی اور انگریزی تہذیب و معاشرت میں سانس لے رہا ہے لیکن اس نے اپنی اصل مشرقی و ہندستانی تہذیب کو مرنے نہیں دیا۔

دوسرا ٹاثر کانفرنس کے انعقاد و اہتمام کو لے کر قائم ہوا جس کے انتظامی امور میں اقبال مرزا کی غیر معمولی دل چسپی و انہماک دیکھ کر مسرت ہوئی اور حیرت بھی۔ عاشور صاحب کو جس قدر آگے نمایاں رہنے کا شوق تھا اس کے برعکس اقبال مرزا پیچھے پیچھے رہتے۔ یہی وجہ ہے کہ کانفرنس کی کامیابی کا پورا سہرا کاظمی صاحب کے سر گیا اور اقبال مرزا کو لندن سے باہر کوئی نہ جان سکا۔ اس وقت تک مرزا کا شاعری وغیرہ سے زیادہ تعلق نہ تھا۔

دوسری بار لندن گیا تو اصل قیام تو عاشور کاظمی کے ساتھ برمنگھم میں ہوا لیکن لندن میں قیام اقبال مرزا کے گھر پر ہوا۔ جوش سیمینار تھا اور وہ اس کے خاص انتظام کاروں میں تھے۔ کئی دن تک ہم شب و روز ساتھ رہے تو اقبال مرزا کے ذہن و تہذیب کو سمجھنے کے مزید مواقع ملے۔ اس بار وہ پریس میں نہیں تھے، وہ کاروبار ختم ہو چکا تھا اور اسے ختم ہونا ہی تھا کہ اب ان کے اندر سے ایک نئے اقبال مرزا کا جنم ہو چکا تھا۔ اردو زبان و ادب سے متعلق ان کے غیر معمولی جذبے و لگن کو دیکھ کر مسرت تو تھی ہی، حیرت بھی تھی، اس لیے کہ وہ بہت اعلا تعلیم یافتہ انسان نہ تھے۔ انگریزی بھی بس کام چلاؤ تھی اور لندن میں اردو کی سرگرمیاں بڑھتی تو رہی تھیں لیکن پورے مشرقی لوازمات کے ساتھ چمک اور چمک دمک کے ساتھ — بہرحال جوش سیمینار ہوا اور خوب ہوا کہ اس میں جگن ناتھ آزاد، نثار احمد فاروقی، خلیق انجم، راقم الحروف کے علاوہ کینیڈا کے اقبال حیدر نے بھی شرکت کی۔ مجھے اس وقت مزید حیرت ہوئی جب میں نے مشاعرے کے شعرا کی فہرست میں اقبال مرزا کا نام دیکھا۔ مبارک باد دی۔ لکھنوی انداز میں بولے "میاں کیا شاعری واعری بس مصرعے گھڑ لیتے ہیں"۔ واقعی وہ شاعری معمولی ہی تھی جس پر ہم نے دبے لفظوں اظہار کیا، کچھ اور تبادلۂ خیال کیا تو میں نے صاف محسوس کیا کہ وہ ہر ایک سے سیکھنے کو تیار رہتے خواہ وہ عمر میں جیسا کم عمر و کم علم ہی کیوں نہ ہو۔ ان کی اسی سیکھنے کے شوق و جذبات نے مختصر عرصے میں ہی انھیں اچھا شاعر، اچھا مدیر اور اچھا ادب شناس بنا دیا۔ ایک رات ہم دیر تک جاگتے رہے گپ شپ کرتے رہے، ہمارے ساتھ ساقی بھی تھا، افتخار نسیم اور عاشور کاظمی بھی تھے۔ انھوں نے لندن سے ایک ادبی رسالہ شائع کرنے کا اعلان کیا۔ افتخار نے منہ چوم لیا۔ ہم نے خوب مذاق اڑایا کہ افتخار ان دنوں گے ازم کے لیے خوب شہرت رکھتے تھے۔

تیسری بار کے سفر میں وہ باقاعدہ مکمل شاعر، مدیر اور ادیب ہو چکے تھے اور چوتھی بار جب میں جناب شاہد ماہلی کے ساتھ جمیل مظہری سیمینار میں شرکت کرنے لندن گیا تو اس بار بھی قیام ان کے گھر پر ہی تھا۔ اس بار ان کی اہلیہ سخت بیمار تھیں جس کی وجہ سے وہ پریشان رہتے پھر بھی ہماری ضیافت اور مہمان نوازی میں کوئی کمی نہ رکھی۔ ان کے بعض بھانجے اور نواسے اچھی حیثیت میں تھے اور اقبال مرزا کی حیثیت لندن کو دیکھتے ہوئے معمولی تھی لیکن ان کی غیور طبیعت نے کبھی کسی کا احسان لینا گوارا نہ کیا بس سادگی اور قلندری سے زندگی بسر کرتے رہے۔ میں نے صاف محسوس کیا کہ اب برطانیہ میں ان کا ایک خاص مقام تھا، رتبہ تھا اور ایک مخصوص شاعرانہ و دانشورانہ شناخت بھی۔ — اس کی وجہ تھی وہ رسالہ 'صدا' جسے وہ کئی سال سے اپنے محدود وسائل کے باوجود پابندی اور خوب صورتی سے نکال رہے تھے، جس میں ان کی غزلیں، نظمیں تو شائع ہوتی تھیں لیکن اس کے زیادہ پسند کیے جاتے تھے ان کے اداریے۔ ان اداریوں میں اٹھائے گئے سوالات جو ان کے احساس و اضطراب کو ظاہر

(بقیہ صفحہ پر)

> ویسے تو اس دنیا میں جو بھی آیا ہے اس کو ایک نہ ایک دن جانا ہی ہے، سبھی جاتے ہیں لیکن کچھ لوگ اپنی سادگی، محبت اور محنت کی ایسی چھاپ چھوڑ جاتے ہیں کہ ان کا جانا بہت تکلیف دہ ہوا کرتا ہے۔ اقبال مرزا کا جانا میرا ذاتی نقصان تو ہے ہی، اردو شعر و ادب کا بھی بہت بڑا نقصان ہے۔ مغرب میں خاص طور پر برطانیہ میں جس کڑی محنت اور مخالفت میں انھوں نے اردو تہذیب و ادب کی خدمت کی ہے وہ بے مثال ہے۔ 'صدا' کا شائع کرنا ایک غیر معمولی کام تھا جو انھوں نے تقریباً بیس برس تک انجام دیا اور نوجوانوں میں اردو پڑھنے پڑھانے کا شوق جگایا۔ مشاعرے، مذاکرے منعقد کیے، کروائے۔ جب میں ان کی تعریف کرتا تو لکھنوی انداز میں کہتے "میاں یہ بھی کوئی کام ہے، کام تو ہمارے بزرگ کر گئے، پھر بھی جو وقت ملے اچھے کام کر لو اور چلتے بنو"۔
>
> آج اقبال مرزا بھی چلے گئے۔ لندن، دہلی، لکھنؤ کو ویران کر گئے۔ الوداع اقبال مرزا۔ الوداع۔ ہم کوشش کریں گے کہ آپ کی 'صدا' مرنے نہ پائے۔

مدیر: اطہر فاروقی
شریک مدیر: محمد عارف خاں
پرنٹر پبلشر: شاہد خاں
مطبوعہ: قمر آفسٹ پرنٹنگ پریس، دہلی
مالک: انجمن ترقی اردو (ہند)، اردو گھر، ۲۱۲- راؤز ایونیو، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۲
قیمت (فی شمارہ) دو روپے، سالانہ: ۵۰ روپے (بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر)
Phones: 23237212, 23237214
http://www.atuh.org